# ن ۔م ۔راشداور معاصر اخلاقی اقدار

ڈاکٹر اصغر علی بلوچ*

**Abstract:**

N M Rashid is an important figure among the Modern urdu poets.He has depicted the contemporay situation in his poetry in a new way and in a different angle.His poetry revolves around the the Man and the Ethical values of his era. From his first book "Mavora" to last book " Guman ka mumkin" his poetry reflects the human values,freedom ,equality and revolutionary thoughts. This article shows ethical approach in Rashid's poetry.

ن ۔م ۔راشد جدید اُردو نظم میں عمیق فکر اور الفاظ کی اندرونی توانائی سے ایسا منفرد اسلوب رکھتے ہیں جو اُنھیں دیگر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔حلقہ سے وابستہ شعرا کسی واضح نظریاتی دائرے میں مقید نہیں تھے۔یہی وجہ ہے کہ راشد نے اظہار و ابلاغ کی حد بندیوں کو توڑتے ہوئے اپنی الگ شعری پہچان بنائی ہے۔

راشد کی شاعری ہندوستان میں سیاسی آزادی کی جدو جہد اور دوسری عالم گیر جنگ کے دوران میں پروان چڑھی اور انھوں نے معاصر صورتِ حال کو نئے زاویے سے دیکھتے ہوئے فرد کی مکمل آزادی سے لے کر معاشرتی، سیاسی اور سماجی سطح پر انقلاب، آزادی، مساوات اور انسان دوستی کی اقدار کی پیش کش پر بطورِ خاص توجہ کی۔

ن ۔م ۔راشد کی شاعری کا مرکزی حوالہ ''انسان'' ہے۔''ماورا'' سے لے کر ''گمان کا ممکن'' تک یہ انسان مختلف صورتوں میں نظر آتا ہے۔سجاد باقر رضوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''راشد کی شاعری کا بنیادی موضوع انسان ہے اور انسان کے حوالہ ہی سے وہ فطرت، معاشرت، سیاست، مذہب، کائنات سب کو دیکھتے ہیں...... انسانی زندگی اُن کے لیے سب سے بڑی

* شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

حقیقت ہے۔''(۱)

راشدؔ کی ابتدائی شاعری اپنے عہد کی نوجوان نسل کی ذہنی بغاوت کی نمائندہ ہے۔ یہ بغاوت صرف جنس تک محدود نہیں ہے بلکہ آغاز ہی سے راشدؔ کے ہاں عام انسانوں کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی مسائل کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اُن کی ایک نظم ''انسان'' کا ایک بند ملاحظہ ہو:

الٰہی تیری دُنیا جس میں ہم انسان رہتے ہیں
غریبوں ، جاہلوں ، مُردوں کی ،بیماروں کی دُنیا ہے
یہ دُنیا بے کسوں کی اور لاچاروں کی دُنیا ہے
ہم اپنی بے بسی پر رات دِن حیران رہتے ہیں
ہماری زندگی اِک داستاں ہے ناتوانی کی(۲)

ن ۔م ۔راشد ایک آزاد، خودمختار اور پورے آدمی کے متلاشی تھے اور اُن کے عہد کا سب سے بڑا المیہ اسی آدمی کی گمشدگی تھا۔ راشدؔ کبھی رومانوی دُھند میں اس آدمی کو تلاش کرتے ہیں اور کبھی سیاسی، سماجی اور جنسی و نفسیاتی مسائل کی تہوں سے اُس آدمی کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''ماورا'' سے لے کر ''گمان کا ممکن'' تک یہ کوشش جاری رہتی ہے۔ وہ رنگ و نسل، جغرافیائی حدود و قیود، مذہب اور تہذیب و تمدن پر سے ماورا ہو کر انسان کو کھوجتے رہتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر وزیر آغا:

''ماورا'' میں راشد صاحب نے ایک ایسے فرد کو پیش کیا تھا جو نہ صرف دو دُنیاؤں میں معلق تھا بلکہ جس کے مسائل زیادہ تر اپنے وطن کی ایک مخصوص صورتِ حال ہی کی پیداوار تھے۔ ''ایران میں اجنبی'' تک آتے آتے وہ ایک ایسے فرد کو سامنے لائے ہیں جس کے مسائل قومی سے زیادہ بین الاقوامی نوعیت کے ہیں، مگر ''لا = انسان'' تک آتے آتے راشد صاحب کا مرکزی کردار ''انسان'' قرار پاتا ہے جو ماورا اور ''ایران میں اجنبی'' کے اندر موجود تو تھا لیکن جذبات کی دُھند اور مسائل کی گرد نے جس کے خدوخال پوری طرح نمایاں ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔''(۳)

راشدؔ ''آدمِ نو'' کے خواب دیکھتے ہیں جو ''میرے بھی ہیں کچھ خواب'' جیسی نظم میں مختلف صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے فعال جذبے کے لیے رومیؔ، حافظؔ اور اقبالؔ کی طرح اساسی، علامت عشق کو قرار دیا ہے جو کثیر الجہت اور ازل گیر و ابد تاب ہے۔ راشدؔ جو خواب دیکھتے ہیں۔ وہ لمحاتی آسائشوں کے نہیں ہیں اور نہ ہی وہ مرتبہ و جاہ کے طالب ہیں، وہ کہتے ہیں:

وہ خواب کہ اسرار نہیں جن کے ہمیں آج بھی معلوم
وہ خواب جو آسودگی و مرتبہ و جاہ سے
آلودگی گردِ سرِ راہ سے معصوم
جو زیست کی بے پردہ کشاکش سے بھی ہوتے نہیں معدوم

خودزیست کامفہوم (۴)

راشدؔ کے عصری خوابوں میں ایسے بھی ہیں جو ہماری گذشتہ نسلوں کی جھوٹی نخوت و پندار اور غلط تصورات کے نیچے دب گئے، کچھ خوابوں کو مذہبی عقاید نے پنپنے نہ دیا اور کچھ فرسودہ روایات سے وابستہ ہو کر دفن ہو گئے:

کچھ خواب کہ مدفون ہیں اجداد کے خودساختہ اسمار کے نیچے
اُجڑے ہوئے مذہب کے بنا ریختہ اوہام کی دیوار کے نیچے
شیراز کے مجذوب تنک جام کے افکار کے نیچے
تہذیب نگوں سار کے آلام کے انبار کے نیچے(۵)

انھی خوابوں میں کچھ خواب ایسے بھی ہیں جو خوش جمال اور خوش نظر ہیں جن میں بندہ وآقا کی تفریق نہیں جو انسان کی کامل آزادی کے خواب ہیں، جن پر تبصرہ کرتے ہوئے حمید نسیم کہتے ہیں:

''وہ انسانی حریت کے، آزادیٔ کامل کے خواب ہیں، یعنی اس دور کے خواب ہیں جب آدمی ہر خوف سے آزاد ہو جائیں گے۔ آدمی سیاسی، اقتصادی اور رُوحانی ہر سطح پر کامل آزادی کی نعمت سے بہرہ یاب ہو گا۔ تحریر و تقریر ہر پابندی سے آزاد ہو گی۔ غلامی، ملوکیت، اقتصادی استحصال یا پرانی لعنتیں سب قصۂ ماضی ہو چکی ہوں گی۔ ہر انسان اپنی آزادی کے ساتھ دوسروں کی آزادی کا امین اور محافظ ہو گا۔''(۶)

راشدؔ کا یہ نیا خواب انسان کی عظمت وسطوت کا خواب ہے۔ یہ ایک ایسے فرد کا خواب ہے جو کمینگی، بے ہودگی، بے معنویت اور فکری انحطاط سے نکلنے کی طرف گامزن ہے جو ایک ''وجودی'' کا خواب ہے۔

اے عشقِ ازل گیر و ابد تاب، میرے بھی ہیں کچھ خواب
وہ خواب ہیں آزادیٔ کامل کے نئے خواب
ہر سعیٔ جگر دوز کے حاصل کے نئے خواب
آدم کی ولادت کے نئے جشن پہ لہراتے جلاجل کے نئے خواب
اس خواب کی سطوت کی منازل کے نئے خواب
یا سینۂ گیتی میں نئے دِل کے نئے خواب
اے عشقِ ازل گیر و ابد تاب
میرے بھی ہیں کچھ خواب
میرے بھی ہیں کچھ خواب(۷)

راشدؔ اپنی نظم ''زندگی سے ڈرتے ہو'' میں اپنے ہم عصر انسانوں کو مذہب، وطنیت اور رنگ و نسل کی رومان پرستی سے باہر نکلنے اور اپنی ذات پر اعتماد کرتے ہوئے اندرونی توانائیوں، صداقت اور خیر کی طاقت سے اپنے عہد کی ظلمت کا سامنا کرنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔

شہر کی فصیلوں پر
دیو کا جو سایہ تھا پاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہو گیا آخر
ازدحامِ انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہِ شوق میں جیسے راہرو کا خوں ٹپکے
اِک نیا جنوں ٹپکے
آدمی چھلک اُٹھے
آدمی ہنسے دیکھو شہر پھر بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو **(۸)**

راشدؔ کے فلسفۂ اخلاق سے انسان دوستی، آزادی، فردیت اور حریت جیسی اقدار جُڑی ہوئی ہیں۔ وہ ایک غلام قوم کے فرد کی حیثیت سے غلامی کی بدترین صورتوں سے خوب واقف ہیں اور اُن کے ہاں غلامانہ انتقام کی ایسی صورت بھی نظر آتی ہے جب وہ حاکم کی ''عورت'' سے انتقام لیتے ہیں۔ لیکن یہ انتقام جنسی یا اپنے سے کمزور مخلوق کے بجائے، ایک علامت بن کر سامنے آتا ہے اور وہ جنسی تلازمات کے ذریعے سیاسی اور معاشرتی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ''رقص''، ''بے کراں رات کے سناٹے میں''، ''انتقام'' اور ''اجنبی عورت'' وغیرہ اس کی بہترین مثال ہیں:

اک برہنہ جسم اب تک یاد ہے
اجنبی عورت کا جسم
میرے ''ہونٹوں'' نے لیا تھا رات بھر
جس سے اربابِ وطن کی بے بسی کا ''انتقام'' **(۹)**

راشدؔ کی اس نظم پر بحث کرتے ہوئے حسن عسکری کا کہنا ہے **:**

''آپ لوگوں نے اس نظم پر راشدؔ کو بہت طعنے دیے ہیں لیکن وہ غریب تو خود اپنے آپ کو طعنہ دے رہا ہے۔ اپنے آپ پر استہزا کر رہا ہے۔ آپ اس کا لہجہ نہ سمجھیں تو وہ کیا کرے؟ یہ نظم جنسی نہیں جیسا کہ آپ سمجھے ہیں بلکہ سیاسی اور اخلاقی۔ ایسی نظموں میں راشد اپنی گھناؤنی خواہشوں کا اظہار نہیں کرتا بلکہ قوتِ ارادی اور جینے کی خواہش کی کمزوریوں اور بیماریوں کا تجزیہ، محض عشرت پسندی اور تن آسانی اور کھاؤ پیو، مگن رہو والا نظریہ آپ کو کسی نئے شاعر میں نہیں مِل سکتا۔'' **(۲۹)**

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راشدؔ کے ہاں اپنی شخصی، قومی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی محرومیوں نے مختلف حوالوں سے انھیں بغاوت، تشکیک اور نفسیاتی مسائل سے دوچار کر دیا اور اس طرح اُن کی شاعری مجموعی طور پر جدید

انسان کی اخلاقیات مرتب کرتی ہے۔جس کے بارے میں حسن عسکری کہتے ہیں:

> ''ہمارے اندر جو اخلاقی تضاد اور تصادم ہیں،ہمیں اچھی طرح ان کا احساس ہےلیکن اُن کا وہی حل کارآمد ہو سکتا ہے جو خود ہمارے اندر پیدا ہوا ہو۔آپ کا بخشا ہوا نہیں۔ جب آپ ''انتقام'' یا ''گناہ'' جیسی نظم کو مردود قرار دیتے ہیں تو آپ ظاہر پرستی کر رہے ہوتے ہیں۔''(۱۰)

راشؔد نے ''ظاہر پرستی'' کر کے کسری آدمی بننے کے بجائے سلیم احمد کے الفاظ میں ''پورے آدمی'' کا کردار ادا کیا ہے(۱۱) یہی وجہ ہے کہ وہ منافقت، ریاکاری اور مصنوعی زندگی کی پیش کش نہیں کرتے بلکہ زندگی کو اس کے اصل رنگوں میں دیکھتے ہیں۔اُن کے فکری تناظر کا مجموعی جائزہ لینے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُن کے ہاں مشرق ومغرب کی کشاکش اور خیر وشر کی کشمکش سے جو انسان وجود میں آتا ہے وہ محض ایک فرد ہے، جو بے یقینی، بے بسی اور بے قراری کی حالت میں ٹوٹتی بنتی اقدار کو دیکھ رہا ہے۔

اجل ان سے مِل
کہ یہ سادہ دِل
نہ اہلِ صلوٰۃ اور نہ اہلِ شراب
نہ اہلِ ادب اور نہ اہلِ حساب
نہ اہلِ کتاب
نہ اہلِ کتاب اور نہ اہلِ مشین
نہ اہلِ خلا اور نہ اہلِ زمیں
فقط بے یقیں (۱۲)

راشؔد نے داخل وخارج کے رِشتوں کے انسلاک سے معاشرتی زندگی کو موضوع بنایا ہے، چاہے ان کا نقطۂ نظر انفرادی ہو یا اجتماعی وہ انسان، زندگی اور کائنات کے باہمی رِشتوں سے ایک ایسا جہان تخلیق کرتے ہیں جس کی تعمیری اساس انسان دوستی پر قائم ہے۔بقول شمیم حنفی:

> ''مجھے راشد جیسے آزادہ وخود بیں شاعر پر کسی بنی بنائی اصطلاح کے اطلاق میں تامّل ہے۔پھر بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے عہد کی وجودی انسان دوستی (Existential humanism) کے نقوش، جو ٹکنولوجیکل کلچر کی پرتشدد سطح سے اُبھرے ہمیں نہ تو راشد سے پہلے اور نہ ہی راشد کے زمانے میں کسی اور شاعر کے یہاں اس درجہ نمایاں دِکھائی دیتے ہیں۔''(۱۳)

مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ راشؔد کا بھی ترقی پسند معاصرین کی مرتبہ فکر کا مرکزی کردار ''انسان'' ہی ہے لیکن وہ کسی سیاسی عقیدے سے وابستہ نہیں اور نہ ہی وجود سے باہر کسی نے ان پر (Impose) کیا ہے:

آج بھی اس ریگ کے
ایسے ذرّے، آپ ہی اپنے غنیم

آج بھی اس آگ کے شعلوں میں ہیں
وہ شررجواس کی تہ میں پر بریدہ رہ گئے
مثلِ حرفِ ناشنیدہ رہ گئے
صبحِ صحرا، اے عروسِ عزوجل
آ کہ ان کی داستاں دُہرائیں ہم
اُن کی عزت، اُن کی عظمت گائیں ہم (۱۴)

انسانی حال اور مستقبل پر یہ یقین راشدؔ کا رجائی اور روشن استعارہ ہے جو اُن کے اندر سے پھوٹتا ہے اور جس میں عالم گیر انسان کی اخلاقیات کے آثار نظر نواز ہوتے ہیں۔

## حوالہ جات وحواشی


۱۔ رضوی، سجاد باقر، ڈاکٹر، ''راشد کی دو نظمیں''، مشمولہ: ماہنامہ نئی قدریں، حیدرآباد، سندھ، شمارہ ۴۔۵، ص ۲۱

۲۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، ماورا پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص ۲۸۸

۳۔ آغا، وزیر، ڈاکٹر، ماہنامہ ''اُردو زبان''، شمارہ نمبر ۵۔۶، سرگودھا، ص ۶۵

۴۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، ص ۲۸۹

۵۔ ایضاً، ص ۲۸۹

۶۔ نسیم، حمید، ''پانچ جدید شاعر''، فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۵

۷۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، ص ۲۹۱

۸۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۹۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۱۰۔ عسکری، حسن، ''جھلکیاں''، مشمولہ: مجموعہ حسن عسکری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۸۳۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۴۶۔۸۴۵

۱۲۔ سلیم احمد، ''نئی نظم اور پورا آدمی''، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۹

۱۳۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، ص ۲۹۵

۱۴۔ حنفی، شمیم، ''خیال کی مسافت''، شہزاد، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۷۸۔۱۷۷

۱۵۔ راشد، ن۔م، ''کلیاتِ راشد''، ص ۲۸۱